الحمد۔ ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لئے ہے

سورۃ فاتحہ میں ڈوب کر نماز ادا کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲/ مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

سورۃ فاتحہ سے متعلق گزشتہ چند خطبوں میں ذکر چلتا رہا ہے کہ کس طرح یہ نماز کا سلیقہ سکھاتی ہے۔عبادت کے گر بتاتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذریعہ بنتی ہے اور پھر بنی نوع انسان سے تعلق کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔اس لئے اس سورۃ پر محض سرسری نظر نہیں ڈالنی چاہئے بلکہ ہر نماز میں پڑھتے وقت بڑے غور سے اس کے مضامین سے گزرنا چاہئے اور انہیں اپنے نفس پر ساتھ ساتھ اطلاق کرتے چلے جانا چاہئے اور سورہ فاتحہ کے آئینے میں اگر انسان اپنی تصویر دیکھنے کی عادت ڈال لے تو اس سے بہتر آرائش کا اور کوئی ذریعہ سوچا نہیں جا سکتا کیونکہ یہ سب سے سچا آئینہ ہے۔اس سے بہتر حق کے ساتھ آپ کو آپ کی تصویر دکھانے والا اور کوئی آئینہ نہیں۔

اس ضمن میں الحمد کا جو مضمون پہلے بیان ہوتا رہا ہے اس میں میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ جماعت کو یہ سمجھایا تھا کہ ہم کہتے تو یہ ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام تر حمد، کلیۃً ہر قسم کی کامل حمد صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں اور جو حمد کسی کو نصیب ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔اس ضمن میں میں نے دنیا کے روزمرہ کے مشاہدات آپ کے سامنے رکھے اور سمجھایا کہ کہتے تو ہم یہی ہیں لیکن بالعموم روزمرہ کی زندگی میں خدا کی تخلیق کی حمد میں تو ڈوب

جاتے ہیں لیکن خالق کی حمد کا ہمیں خیال نہیں رہتا۔ پھول سے محبت کریں گے۔ گلشن سے محبت کریں گے۔ اچھے مکانوں سے محبت کریں گے۔ حسن سے محبت کریں گے خواہ وہ بے جان حسن ہو یا جاندار حسن ہو۔ رعب اور طاقت سے محبت کریں گے مگران کے پیچھے جو ذات جلوہ فرما ہے اس کا دھیان روزمرہ کی زندگی میں انسان کو نہیں آتا تو ایسا انسان جب پانچ وقت یا اس سے بہت زیادہ مرتبہ ہر نماز میں کئی رکعتوں میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا اقرار کرتا ہے اور اثبات کرتا ہے تو اس اثبات اور اقرار میں کوئی خاص حقیقت نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے کہ وہ یہ کہنے میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا لیکن یہ آواز اس کی روزمرہ کی زندگی کا مظہر نہیں۔ اس کی روزمرہ کی زندگی کی تصویر نہیں کھینچ رہی۔

اس ضمن میں مَیں خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ (مجھے یاد نہیں کہ پہلے اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی کہ نہیں) کہ خدا تعالیٰ کی حمد کی راہ میں سب سے بڑی روک نفس انسانی کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور سب سے بڑا بت ہر انسان کے اندر موجود ہے کیونکہ باہر کی دنیا کی حمد میں انسان غفلت کے نتیجے میں بسا اوقات خالق کی حمد سے غافل ہو جاتا ہے لیکن نفس کا بت ایسا ہے جو باقاعدہ شرک کے خیالات پیدا کرنے والا ہے اور اس سے بڑا اور کوئی بت نہیں جو خدا کے مقابل پر الوہیت کا دعویٰ کرے اور اگر آپ روزمرہ کی زندگی میں اپنے نفوس کا، اپنی نیتوں کا تجزیہ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ موحد ہوتے ہوئے بھی بسا اوقات جب آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں کہ تمام تر حمد صرف اللہ ہی کے لئے ہے تو دل کے گوشے سے ایک آواز اٹھتی ہے **الحمد لی الحمد لی**۔ سب حمد تو میرے لئے ہے اور میرے لئے ہے چنانچہ یہ آواز اگرچہ ہر انسان کو اس طرح سنائی نہیں دیتی کہ وہ اسے محسوس کرے اور اسی لئے وہ اس آواز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن فی الحقیقت یہ آواز ہے جو روزمرہ کے تجارب میں انسان اگر توجہ سے کوشش کرے تو سن سکتا ہے۔ مثلاً ایک اچھی آواز والا گویّا ہے جب وہ مجمع کے سامنے بہت خوبصورت آواز میں خوش الحانی کے ساتھ نظم پڑھتا ہے تو وہ داد جو اس کو ہر طرف سے ملتی ہے اس کو اپنے نفس میں اس قدر مطمئن کر رہی ہوتی ہے، اس قدر اس کو لذت عطا کر رہی ہوتی ہے کہ اس وقت اس کا خدا خود اس کا نفس بن چکا ہوتا ہے اور اس کا ذہن کبھی اس طرف نہیں جاتا یا یہ کہنا چاہئے کہ اکثر نہیں جاتا کہ یہ آواز کیسے پیدا ہوئی؟ کس نے اس کو عطا کی؟ اس کی ذاتی کوشش کا اس میں کتنا دخل

ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عطا کا کتنا دخل ہے؟ اگر اس مضمون کی طرف توجہ مبذول ہو تو ہر گویے کی خود اپنی نظر میں کوئی بھی حقیقت باقی نہ رہے۔ایک ایسے خاندان میں پیدا ہونا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھا گلا عطا کیا گیا ہو، ایسے ماحول میں پیدا ہونا جہاں آواز کو مزید مانجھ کر اور صیقل کر کے زیادہ خوبصورت اور دلکش بنایا جاسکتا ہو یعنی ایسے ذرائع مہیا ہونا۔ان بیماریوں سے پاک رہنا جو گلے کو خراب کرتی ہیں اور آواز کو تباہ کر دیتی ہیں۔ یہ ساری باتیں بھی قابل غور ہیں مگر سطحی ہیں۔ان سے اور نیچے اتر کر جب آپ صوتی نظام کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح ہر انسان کے گلے میں خدا تعالیٰ نے ایک صوتی نظام قائم فرمایا ہوا ہے جو اربوں سال کے عرصے میں ترقی کر کے یہاں تک پہنچا ہے اور اسے مانجھنے اور صیقل کرنے اور اسے چمکانے اور اس کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرنے میں زندگی کی ہزارہا نسلیں اس سے پہلے اپنے اپنے دور طے کرنے کے بعد ماضی کا حصہ بن گئیں اور کسی کو علم نہیں کہ ان تجارب میں جو قدرت نے ان کے ساتھ کئے ۔ کیا کیا کارروائیاں آواز کے نظام کو مکمل کرنے کے لئے کی گئیں۔

جو جاندار ہمیں آج دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی کے آغاز سے لے کر اب تک کا مطالعہ بھی ہمیں بہت کچھ سبق دیتا ہے اور انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح آواز کا آغاز ہوا حالانکہ اس سے پہلے یہ کائنات بالکل خاموش تھی۔زندگی موجود تھی لیکن زندگی کا ایک جزو زندگی کے دوسرے جزو تک آواز کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

یہ مضمون پہلے بھی میں نے اس حد تک بیان کیا ہے لیکن اب میں اس تعلق میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ شخص جس کو خدا نے اچھی آواز عطا کی ہے اگر اس کا ذہن ان چیزوں کی طرف کبھی منتقل نہ ہو اور ہمیشہ اپنی ہی تعریف میں ڈوب جایا کرے تو اس کے دل سے ایک بت پیدا ہونا شروع ہو جائے گا جو مزید طاقتور ہوتا چلا جائے گا اور اس کے باقی وجود پر بھی قابض ہو جائے گا کیونکہ شرک کا بت اپنے دائرے تک محدود نہیں رہا کرتا بلکہ پھیلتا ہے اور بڑھتا ہے اور زیادہ طاقتور ہوتا چلا جاتا ہے۔اسی طرح ایک اچھا مقرر ہے جب وہ بہت اچھی تقریر کرتا ہے اور داد پاتا ہے یا ایک اچھا شاعر ہے جسے خدا توفیق دیتا ہے کہ اپنے خیالات کو نہایت لطافت کے ساتھ شعروں کے خوبصورت کوزوں میں بند کر کے دنیا کے سامنے پیش کرے تو عموماً یہی مضمون دوہرایا جاتا ہے جس کا میں پہلے آواز کے سلسلے

میں ذکر کر چکا ہوں۔

ایک اچھا مصور ہے، ایک اچھا معلم ہے، ایک اچھا صناع ہے غرضیکہ انسان کے اندر خدا تعالیٰ نے جتنی صلاحیتیں پیدا فرمائی ہیں خواہ وہ جسمانی ہوں، علمی عقلی ہوں یا قلب سے تعلق رکھنے والی ہوں ان سب پر یہی مضمون صادق آتا ہے کہ ہر انسان بالآخر اپنی مدح میں ڈوب جاتا ہے اور ایسا شخص جب بار بار خدا کے حضور یہ اقرار کرتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اس کی روزمرہ کی زندگی کا اس اقرار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پس جب نماز پڑھتے ہوئے آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں تو اس آئینے میں اپنی صورت دیکھا کریں اور غور کیا کریں کہ آپ روزمرہ کے زندگی کے تجارب میں کتنی مرتبہ عملاً آپ نے واقعی حمد خدا ہی کے حضور پیش کر دی جو حمد بنی نوع انسان نے آپ کے حضور پیش کی آپ نے اسے اپنا نہیں سمجھا بلکہ کامل عاجزی اور انکسار کے ساتھ التحیات للہ والصلوٰت والطیبات کہتے ہوئے اس حمد کو خدا ہی کے حضور پیش کر دیا کیونکہ سب تحفے اسی کے حضور پیش کرنے کے لائق ہیں اور خود اس حمد سے خالی ہو گئے۔ اگر آپ ایسا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں تو آپ کا دل حمد سے خالی نہیں رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس حمد کو ہمیشہ بڑھا کر واپس کرتا ہے جو اس کے حضور پیش کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان واقعی لائق حمد بننا شروع ہو جاتا ہے پھر جو اس کی حمد کی جاتی ہے وہ خدا کی آواز کے ساتھ حمد کی جاتی ہے۔ خدا کی آواز دلوں میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ خدا کی آواز ذہنوں پر قابض ہوتی ہے اور بنی نوع انسان سے ایسے شخص کی حمد کے جو گیت اٹھتے ہیں وہ اسے محمود اور محمد بنا دیتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم کا نام محمد رکھنے میں ایک بہت بڑی حکمت تھی کہ آپ نے اپنی تمام حمد ساری زندگی ہمیشہ کلیۃً خدا کے حضور پیش کی اور آپ ہمیشہ حمد سے خالی ہوتے چلے گئے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو محمد بنا دیا۔

پس احمد، محمد ؐ میں تبدیل ہوتے ہیں اگر وہ خالص ہوں اور سچے ہوں اور مخلص ہوں اور احمد کے طور پر خدا کی حمد کریں اور اپنا بت بیچ میں حائل نہ ہونے دیں

اس نقطہ نگاہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا مضمون انسانی تربیت کا ایک بہت ہی لمبا سلسلہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ سلسلہ ساری زندگی ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مضمون ایسا

باریک ہے اور اس کے بعض پہلو انسانی نظر سے ایسے مخفی رہتے ہیں کہ ساری زندگی کی محنت اپنے آپ کو اپنی حمد سے پاک کرنے کے لئے درکار ہے اور اس کے باوجود بھی انسان اس مقام محمود کو حاصل نہیں کرسکتا جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو عطاء ہوتا ہے اس لئے دعا کے ساتھ مدد مانگتے ہوئے انسان کو نفس کا یہ جہاد ہمیشہ جاری رکھنا چاہئے۔

جو انسان اپنی حمد کا عادی ہو وہ اکثر اوقات لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے حد خوش ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے اور تعلّی کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے لَفَرِحٌ کے مضمون کو حمد کے ساتھ یعنی انسان کی جھوٹی حمد کے ساتھ باندھ کر پیش فرمایا ہے اس کا میں آگے جا کر ذکر کروں گا لیکن اس کے نظارے آپ نے بسا اوقات کھیلوں کے میدانوں میں بھی دیکھے ہوں گے کہ کبڈی کا ایک کھلاڑی ہے وہ کسی اچھے مضبوط کھلاڑی کو۔(پنجابی میں جس کو ''دھول'' کہتے ہیں اردو میں پتا نہیں۔ دھول دھپا تو خیر اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے) ایک دھول لگا کر گراتا ہے اور اس کے شکنجے سے نکل کر واپس بھاگتا ہے تو عجیب وغریب حرکتیں کر رہا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ہاتھ اونچے کر کے دونوں انگلیاں کھڑی کر دیتا ہے بعض دفعہ منہ سے آوازیں نکالتا ہے کہ میں نے کمال کر دیا ہے بعض دفعہ وہ چھاتی پر ہاتھ مارتا ہے۔ اسی طرح فٹ بال کے میدان میں جب بھی کوئی شخص گول کرتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ کس طرح عجیب وغریب حرکتیں کرتا اور اچھلتا کودتا اور فخر ومباہات کے اظہار کے لئے اپنے جسم کو مختلف شکلیں دیتا ہے، بعض آوازیں نکالتے ہیں، بعض خاموش اظہار کرتے ہیں۔

یہ جو مناظر ہیں یہ نمایاں طور پر آپ کی نظر کے سامنے رہتے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس حد تک حمد کا پیاسا ہے اور یہ پیاس اس کو مجبور کر دیتی ہے کہ جہاں حمد کے چند قطرے ملیں ان کو نہ صرف پیئے بلکہ فخر سے اظہار کرے کہ ہاں آج میری پیاس بجھ گئی۔ یہ واقعات روزمرہ کی زندگی میں ہم سے ہورہے ہوتے ہیں جب ہم دوسروں کو دیکھتے ہیں تو دکھائی دیتے ہیں۔ جب اپنے اوپر نظر ڈالتے ہیں تو دکھائی نہیں دیتے۔ پس اس لئے اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنے اندر حمد چاہنے کا جذبہ اس طرح دکھائی نہیں دے گا جیسے دوسرے کا حمد چاہنے کا جذبہ آپ کو دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے کی تعلّی پر آپ کو بعض دفعہ ہنسی بھی آجاتی ہے مگر یہ بھول جاتے

ہیں کہ یہ تعلّی آپ کا نفس روزانہ کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے اور کوئی آنکھ اس کو دیکھتی نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو پھر ایسی حمد کا بھی انسان طالب ہو جاتا ہے جو ظاہری طور پر اس کو نہیں ملنی چاہئے یعنی حمد کے بعض قصے تو یہ ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس میں انسان نے ایک اچھا کام ضرور کیا ہے لیکن وہ اچھا کام خود اس کی ذاتی توفیق سے ایسا متعلق نہیں جتنا اللہ تعالیٰ کی بے انتہاء عنایات سے تعلق رکھتا تھا اس کا اس موقعہ پر اس بات کو بھلا دینا یا یہ اہلیت نہ رکھنا کہ اپنے اچھے فعل کے پیچھے خدا کا ہاتھ دیکھے اور خدا کی تخلیق کے ان گنت کرشموں کا نظارہ کرے تو یہ چیز جو ہے یہ ایک حد تک سمجھنے کے لائق ہے اور سمجھانے کے لائق ہے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسان صرف اسی بات پر راضی نہیں ہوتا۔ یہیں ٹھہر نہیں جاتا فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۱۸۹) کہ ہرگز یہ گمان نہ کر کہ وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتراتے ہیں جو کچھ گل وہ کھلاتے ہیں ان پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ جو کوئی اچھا کام کیا یا کسی قسم کا بھی ایسا کام جو کم سے کم اس کی نظر میں قابل تعریف ہو تو اس پر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اترانے لگ جاتے ہیں۔ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اس کے ساتھ وہ اس بیماری میں بھی ضرور مبتلا ہوتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے ان کے لئے بھی تعرف کے خواہاں ہو جاتے ہیں اور جب یہ بیماری بڑھ کر اس مقام تک پہنچ جاتی ہے تو تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ پھر یقین رکھ کر یہ لوگ عذاب سے محفوظ نہیں ہیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس مضمون کا تعلق یقیناً آخرت سے ہے لیکن یہ غلط ہے کہ اس دنیا سے نہیں کیونکہ تعریف کی پیاس جب اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان ان چیزوں پر بھی تعریف کی تمنا رکھنے لگ جاتا ہے، تعریف کروانے کے لئے اس کے دل میں پیاس لگ جاتی ہے جن چیزوں میں اس کا کوئی بھی حصہ نہیں ہوتا یعنی کام کسی اور نے کیا اور تعریف اس نے اپنی کرنی شروع کروادی۔ یہ بات بھی آپ روزمرہ کی زندگی میں ہر گھر میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ہر انتظام میں مشاہدہ کر سکتے ہیں اور انسانی تعلقات میں اور قوموں کے تعلقات میں بھی یہ بات اگر آپ باریک نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گی۔

اگر کسی نے کوئی اچھا کام کیا ہو اور بتایا نہ جائے مثلاً گھر میں بچوں کے ساتھ گفتگو کرتے

ہوئے کہ ہمیں علم ہے کہ کس نے اچھا کام کیا ہے اور آپ اچانک پوچھیں کہ کس نے کیا ہے تو بے اختیار کئی بچے ہاتھ اونچا کریں گے کہ ہاں! ہم نے کیا ہے۔ اگر ان کو یہ یقین ہو جائے کہ پتہ نہیں لگے گا کہ کس نے کیا تھا تو پھر اکثر بچوں کے اندر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اس بات میں اپنی تعریف کروائیں جو بات انہوں نے نہیں کی۔ ان کے بھائی یا کسی بہن نے کی تھی لیکن چونکہ تعریف ہو رہی ہے اس لئے وہ کہتے ہیں ہم نے کیا ہے۔ اور اگر کوئی یہ نہ کر سکے تو تعریف میں حصہ ڈالنے کی عادت تو اتنی پختہ ہے کہ اس سے تو شاید ہی کوئی انسان بری ہو۔ اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ بہت اچھا کھانا پکا ہے۔ کس نے پکایا ہے؟ تو اگر گھر کی مالکہ نے پکایا ہوگا تو وہ کہے گی میں نے پکایا ہے کوئی دوسرا ساتھ بولے گا کہ مصالحہ تو میں نے بتایا تھا۔ ایک تیسرا بتائے گا کہ ترکیب میری تھی۔ ایک چوتھا کہے گا کہ ڈوئی تو میں پھیرتا رہا ہوں غرضیکہ ہر شخص بیچ میں اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا مشاہدہ ہے لیکن یہ آگے جا کر بہت گہری بیماری میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ایسے اشخاص کو بعد ازاں احتمال ہے کہ گہری روحانی بیماریاں نہ لاحق ہو جائیں۔ اس کی تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ہر انسان اپنی زندگی کے واقعات پر غور کر کے یہ جائزہ لے سکتا ہے کہ کس حد تک اس نے اس معاملے میں ٹھوکر کھائی یعنی تعریف کی ایک خواہش تو طبعی ہے اسے اپنے مقام پر رکھنا اور لگام ڈال کر رکھنا یہ ایک الگ مسئلہ ہے مگر جو واقعہ ہوا ہی نہیں اس ضمن میں جھوٹی تعریف کی تمنا یہ بہت بڑی بیماری ہے اور یہ شرک کی بدترین قسم بن جاتی ہے اور ایسے لوگ پھر سب سے زیادہ خدا کی تعریف اس سے چھینتے ہیں اور عمداً ہر چیز میں بات اپنے ذمے لگاتے ہیں کہ ہماری وجہ سے یہ ہوا ہے اور یہ بیماری جب زیادہ باریک ہو جاتی ہے تو عجیب و غریب شکلیں اختیار کرتی ہے۔ میں اس کا ایک نمونہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ نیک انسان بھی اس قسم کی بعض بیماریوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ عام طور پر موحد ہیں لیکن بہت سی باتوں میں غلطی کر جاتے ہیں۔

یہ بھی رجحان پایا جاتا ہے کہ اگر خدا کا کوئی فضل ہو تو انسان اپنے اندر وہ نیکی تلاش کرتا ہے کہ کس وجہ سے فضل ہوا ہے خدا نے کوئی خاص احسان کیا تو انسان کہتا ہے یہ اس لئے ہے کہ میں نے غریبوں کی ہمدردی کی تھی۔ خدا نے بہت احسان کیا اور شفاء بخشی تو انسان سوچتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ میں نے فلاں انسان کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا تھا اور یہاں تک کہ جب کسی شخص پر خدا کا خاص

فضل نازل ہو تو لوگ بھی جو تبصرے کرتے ہیں ان میں اس شخص کی خوبیاں تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس پر یہ فضل کیا ہے تو اس کی یہ بات سنی گئی۔ اس کی یہ نیکی کام آئی اور ہمارے ہاں روزمرہ کے محاورے میں یہ بات اکثر سننے میں آتی ہے کہ اس کی فلاں نیکی کام آ گئی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی نیکیاں کیا؟ ان کی حیثیت کیا؟ خدا تعالیٰ اگر انسان کی نیکیوں کے مقابل پر اس کی بداعمالیوں کا حساب کرے تو کسی کے پلے کوئی نیکی باقی نہ رہے۔ اپنی نیکی کی طرف خیال آ جاتا ہے اور بدیاں انسان بھول جاتا ہے اور خدا کے وہ احسانات جو خالصۃً فضل کے نتیجے میں ہیں ان احسانات کو اپنی طرف منسوب کرنے لگ جاتا ہے کہ میری کسی خوبی کے نتیجے میں ایسا ہوا لیکن ایک عارف باللہ اس معاملے میں کبھی ؎ دھوکا نہیں کھاتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مناجات میں عرض کرتے ہیں کہ

سب کچھ تیری عطا ہے
؎ گھر سے تو کچھ نہ لائے

کیسا سادہ لیکن کتنا عظیم اور قوی اظہار ہے کتنی گہری اور دائمی حکمت (درثمین صفحہ:۔۔) اس میں بیان فرمادی گئی ہے۔

سب کچھ تیری عطا ہے
گھر سے تو کچھ نہ لائے

پس الحمد للہ کہتے ہوئے جب تک یہ رجحان پیدا نہ ہو کہ سب کچھ تیری عطا ہے۔ گھر سے ہم کچھ نہیں لائے تو اس وقت تک الحمد کا مضمون کامل نہیں ہو سکتا اور اس وقت تک اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی دعا میں طاقت پیدا نہیں ہو سکتی پس جب آپ کلیۃً حمد سے اپنے آپ کو خالی کر لیتے ہیں۔ اللہ کے جتنے احسانات ہیں ان کو خدا کے احسانات کے طور پر گنتے ہیں اور ان پر حمد کے گیت گاتے ہیں تو پھر جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہتے ہیں تو دل پوری سچائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہے خدا کے حضور یہ اقرار کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ ہم نے تو اپنی حمد سمجھی کچھ نہیں اس لئے ہم اپنی عبادت نہیں کرتے۔ ہم نے تو کسی غیر کی کوئی حمد سمجھی ہی نہیں اس لئے ہم کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے اور تو جانتا ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ جب تمام تر حمد ہم تیرے حضور پیش کر بیٹھے تو اب سوائے تیری

عبادت کے ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ ایسی صورت میں ''عبد'' عابد بن جاتا ہے اور ایک عام انسان نہیں رہتا۔ یوں تو ہر انسان خدا کا بندہ ہے لیکن سورۂ فاتحہ ایک عبد کو عابد میں تبدیل کرتی ہے۔ تب اس کا یہ حق ہے کہ وہ یہ عرض کرے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہ سب کچھ تیرے خزانے میں جمع ہو گیا ہمارے پاس تو رہا ہی کچھ نہیں اس لئے ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور تیری مدد کے بغیر ہم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

اس نَسْتَعِیْنُ میں بہت کچھ شامل ہے اس نَسْتَعِیْنُ کی دعا میں ہر دعا مانگی جاسکتی ہے اور اس دعا میں از خود حمد کی طلب بھی شامل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب انسان ان تمام مراحل سے گزرتا ہے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے گزرتا ہے احتیاط کے ساتھ گزرتا ہے، شرک سے اپنے آپ کو کلیۃً پاک کر لیتا ہے اور حقیقت میں خدا کے حضور اپنا مقام سمجھنے لگ جاتا ہے تو اس وقت جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو اس کی کہی اور ان کہی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد پھر جب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾ کہتا ہے تو پھر دعائیں ایک نئے مضمون میں داخل ہو جاتی ہیں۔ انعام والے مضامین ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے اور ایک جاری سلسلہ ہے۔

اس ضمن میں یہ یاد رکھیں کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے مضمون میں ایک پوری تاریخ ہمارے سامنے رکھ دی گئی ہے چونکہ اس سے پہلے میں اس بات پر گفتگو کر چکا ہوں اس لئے مزید اسے نہیں چھیڑتا لیکن اَنْعَمْتَ کے چار مراتب ہیں اور سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں خدا کی چار صفات پیش فرمائی گئی ہیں۔ ان چاروں صفات سے جس انسان کا تعلق کامل ہو جائے گا وہ انعمت میں آخری مقام تک پہنچے گا اور جس حد تک اس کا صفات باری تعالیٰ سے تعلق کمزور ہو گا اسی حد تک اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے گروہ میں اسے نسبتاً ادنیٰ مقام نصیب ہو گا۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی مقام ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ ہر مقام جاری ہے لیکن سورۂ فاتحہ میں صفات باری تعالیٰ کو جس رنگ میں پیش فرمایا گیا ہے ان صفات کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے جس کامل عبودیت کے ساتھ جس کامل انکسار کے ساتھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کو حمد سے خالی کر کے ربوبیت سے تعلق جوڑا رحمانیت

سے تعلق جوڑ، رحیمیت سے تعلق جوڑ، مالکیت سے تعلق جوڑ اس کے بعد یہ تعلقات کا معیار بہت بلند ہو چکا ہے۔اس لئے آئندہ کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ فرض کر دیا کہ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ (النساء: ۷۰) اب ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت سے عام تعلق کام نہیں دے گا جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرے گا اور ان اداؤں کے ساتھ خدا سے تعلق باندھے گا جن اداؤں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علی آلہ وسلم نے اپنے رب سے تعلق جوڑا ہے اس کے لئے انعامات کے سب دروازے کھلے ہیں اور چونکہ یہ مضمون مشکل ہو گیا ہے اور بلند تر ہو گیا ہے اور ڈیمنسٹریٹر Demonstrator نے ،جس نے اس مضمون کو اپنی زندگی پر جاری کر کے دکھایا تھا اس مضمون کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے اس لئے آخری مقام تک پہنچنا مشکل تر ہو گیا ہے لیکن اس اطاعت کے ادنی مقام بھی ایسے ہیں جو گزشتہ زمانے کے اعلیٰ مقامات کے برابر درجہ پانے والے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو اس طرح کھول کر بیان فرما دیا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیلعلماء تو نبی نہیں ہیں اور مری امت کے معیار کے لحاظ سے نبی نہیں ہیں لیکن جہاں تک گزشتہ امتوں کا تعلق ہے ان کے نبیوں کے برابر تو میری امت میں تمہیں بہت سے علماء اور ولی اور بزرگ ملیں گے ۔پس یہ وہ مضمون ہے جس کے پیش نظر أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ نے ایک ایسا وسیع دروازہ کھولا ہے اور ہمیں ایک ایسے راستے پر قدم بڑھانے کی دعوت دی ہے جو لامتناہی ہے اور تمام انبیاء کی گزشتہ تاریخ ہمارے سامنے اکٹھی صورت میں پیش کر دیتا ہے کہ گویا اس راستے پر دور تک مختلف جھنڈے لگے ہوئے ہیں اور سب سے آخر پر مقام محمدیت کا جھنڈا ہے اور مسلسل یہ صلائے عام دے رہا ہے کہ آنا ہے تو یہاں تک آؤ اور اس سے پہلے رکنے کی کوشش نہ کرو۔اس سے پہلے کی تھکن تمہیں مغلوب نہ کر دے۔پس اس سفر میں جس مقام پر بھی انسان دم دے وہی مقام أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مقام ہے اور بہت ہی بڑا خوش نصیب ہے وہ جسے محمد رسول ﷺ کے قدموں تک پہنچنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

اس کے بعد مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہاں بھی یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تشریح میں اگر چہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں اور ضالین کی تشریح میں اگر چہ ہم کہتے ہیں کہ عیسائی مراد ہیں مگر اللہ کی یہ شان ہے

اور سورۃ فاتحہ کی فصاحت و بلاغت ہے کہ کسی قوم، کسی مذہب کا نام نہیں لیا۔ مضمون صرف یہ بیان فرمایا گیا کہ خدا کی مذکورہ چار بنیادی صفات سے جو شخص کلیۃً تعلق کاٹ لے گا یا اس حد تک کاٹ لے گا کہ خدا کی رحمت سے وہ کاٹا جائے تو اسے مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ شمار کیا جائے گا اور جو شخص کچھ تعلق برقرار رکھے گا لیکن ٹیڑھے رنگ میں اور کجی کے ساتھ تو اس کو ضَآلِّيۡنَ کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔

اس مضمون پر آپ غور کریں تو بہت ہی وسیع تاریخی مطالعہ ہے جو آپ کے سامنے کھلتا ہے وہ قومیں جو مغضوب ہوئیں۔ قرآن کریم نے خود بیان فرمایا ہے کہ کیوں مغضوب ہوئیں۔ کس کس طرح، کس کس جگہ انہوں نے خدا کی بنیادی صفات سے اپنا تعلق توڑا اور ایک دفعہ نہیں بار بار توڑا اور کتنے لمبے عفو کے بعد، کتنے لمبے حلم کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغضوب قرار دیا تو اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کن چیزوں سے بچنا ہے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوشش فرض ہے۔ اگر ایک ٹھوکر کھاتے ہیں تو تب بھی، اگر چہ خطرے کا مقام ہے لیکن آخری طور پر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مردود نہیں قرار دیدیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے قوموں کو ایک لمبے عرصے کے بعد جو ہزار سال سے زائد عرصے پر پھیلا پڑا ہے ان کو ان کی بار بار کی غلطیوں کے نتیجے میں اور غلطیوں پر اصرار کے نتیجے میں مغضوب قرار دیا۔ پس اس سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ آخری سانس تک جینے کی امید تو ہے لیکن اگر غلطیاں کرتے ہوئے ہم مارے گئے تو ہم مغضوب کی حالت میں مارے جائیں گے۔ پس ایک طرف تو یہ امید کا پیغام بھی ہے اور دوسری طرف ایک عبرت کا پیغام بھی ہے اور یاد رکھنے کے لائق بات یہ ہے کہ یہود کا نام سورۃ فاتحہ میں کیوں نہیں لیا گیا۔ اس لئے کہ قرآن کریم یہ اعلان کرتا ہے کہ **من حیث القوم مغضوب** ہونے کے باوجود ان کے اندر آج بھی نیک لوگ موجود ہیں۔ آج بھی حق پرست لوگ موجود ہیں آج بھی موحد موجود ہیں۔ آج بھی خدا سے محبت کرنے والے موجود ہیں۔ اگر انہیں اسلام کا صحیح پیغام پہنچتا یا محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن سے ان کی شناسائی ہو جاتی تو وہ ضرور اسلام قبول کر لیتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں میں شامل ہو جاتے مگر اپنے اپنے ماحول میں کٹے ہوئے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے پیار کرتے ہیں۔ اس پر یقین رکھتے ہیں اس کے لئے قربانیاں دیتے

ہیں پس دیکھئے سورۂ فاتحہ نے کس حد تک عدل کا حق ادا فرمایا ہے۔ مغضوب کی تاریخ بھی ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی لیکن ساتھ یہ بھی متنبہ کر دیا کہ کسی ایک قوم کو ان معنوں میں مغضوب سمجھنا کہ ان میں پھر کوئی نیک آدمی پیدا نہیں ہوسکتا یہ غلط ہے اس لئے جہاں قومی طور پر مغضوب فرمایا وہاں نام کسی کا نہیں لیا اور جہاں قرآن کریم نے نام لے کر یہود کو مغضوب قرار دیا وہاں ساتھ ساتھ استثناء کرتا چلا گیا اور بار بار ہمیں متنبہ کیا کہ خبر دار من حیث القوم یہود کو مغضوب قرار دے کر تمام کے تمام کو رد نہ کر دینا اور تمام کے تمام کو جہنمی قرار نہ دے دینا۔ اسی طرح من حیث القوم عیسائیوں کو ''ضآل'' قرار دیتے ہوئے یعنی گمراہ قرار دیتے ہوئے پوری طرح رد کر کے نعوذ باللہ من ذالك یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ یہ سارے کے سارے جہنمی، گندے اور خدا سے دور لوگ ہیں۔ بار بار قرآن کریم نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ ان میں بھی بہت اچھے لوگ ہیں ان میں بھی نیک ہیں اخلاص سے ایمان لانے والے ہیں اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ جب تک یہ اپنے سچائی کے تصور کے مطابق اپنی تعلیمات پر عمل کرتے رہیں گے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور ان کے اجر خدا کے ذمہ ہیں۔ پس سورۂ فاتحہ نے جہاں مغضوب اور ضالین کا ذکر قوموں کے نام لئے بغیر فرمایا وہاں ہماری توجہ اس طرف بھی مبذول فرما دی اور اس میں بھی ہمارے لئے ایک امید کا پیغام ہے کہ اگر ایسی قومیں جو ہزار سال دو ہزار سال، چار ہزار سال تک بار بار خدا تعالیٰ کی ناشکری کرتی رہیں اور اس کی نافرمانی کرتی رہیں اور اس کے بندوں پر ظلم بھی کرتی رہیں ان میں بھی نیکیوں کی گنجائش موجود ہے اور نیکی کی گنجائش موجود ہے تو محمد مصطفی ﷺ کا لایا ہوا دین جو آخری اور کامل دین ہے اس سے وابستہ لوگوں کے متعلق یہ کہنا کہ نعوذ باللہ وہ سارے جہنمی ہو گئے۔ سارے کافر اور بے دین ہو گئے یہ بہت ہی بڑا ظلم ہوگا۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے خصوصیت سے اس میں سبق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں ایسے لوگوں پر سختی فرمائی ہے جنہوں نے ظلم اور تعدی اور عناد میں ہر حد پھلانگ دی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق نہایت ہی ناپاک اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا، وہ زبان اس گروہ کے محض چند لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو فساد اور فتنے اور ظلم میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے لوگ تھے۔ عامة المسلمين سے اس کا تعلق نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو دوسری جگہ خود کھول کر بیان فرمایا ہے اور فرمایا۔ جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے ان

سے بے حد محبت رکھتا ہوں۔ان میں صلحاء بھی ہیں۔ان میں خدا کے بزرگ بھی ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطاء کردہ خبر کے مطابق ان میں بڑے بڑے مرتبہ رکھنے والے لوگ ہیں۔صلحاء عرب بھی ہیں اور ابدال شام بھی ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کو سورۂ فاتحہ سے یہ انکسار بھی سیکھنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہم میں سے ہر شخص کی نجات کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ ہر قوم میں ایسے استثناء ہوتے ہیں کہ اچھوں میں سے برے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اور بروں سے اچھے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اس لئے اَنۡعَمۡتَ کے مضمون میں کسی قوم کا ذکر فرمایا، نہ مَغۡضُوۡبِ اور الضَّآلِّیۡنَ کے مضمون میں کسی قوم کا ذکر فرمایا اور اس مضمون کو کھلا رہنے دیا۔اس کی بنیاد یہی ہے اور فیصلے کی کسوٹی یہی ہے کہ ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم جو خدا تعالیٰ کی ان چار صفات سے گہرا تعلق جوڑتی ہے اور اپنے آپ کو دوئی کی ملونی سے پاک کرتی ہے جن صفات کا سورۂ فاتحہ میں تعارف فرمایا گیا ہے تو وہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو اور واقعۃً وہ اپنے تعلق میں مخلص ہو تو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ میں شمار ہوگی۔لیکن ان کے اندر بھی استثناء ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔اس لئے ہمیشہ ہمیں نگران رہنا چاہئے اور اپنے نفس پر بھی نگران رہنا چاہئے اور بحیثیت جماعت اپنے بھائیوں اپنی بہنوں، اپنے بچوں، اپنے مردوں، عورتوں اور بوڑھوں سب پر نگران رہنا چاہئے تو رمضان المبارک میں آپ جہاں دوسری دعائیں کریں گے وہاں سورۃ فاتحہ کو پڑھتے ہوئے ان مضامین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کی بھی کوشش کریں۔اپنے اندر ایک شعور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔اپنے شعور کو ہمیشہ بیدار رکھنے کی کوشش کریں اور اپنے بھائیوں کے لئے کمزوروں کے لئے اور غافلوں کے لئے بھی دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ سب کے اندر سے ایک باشعور انسان پیدا فرما دے جو خلقِ آخر کا آغاز ہوگا۔

قرآن کریم نے جہاں خلق آخر کا ذکر فرمایا ہے جو خلق آخر انسان کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے کہ ایک غافل انسان سے ایک باشعور انسان جنم لینے لگتا ہے وہ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولتا ہے کروٹ بدلتا ہے، اپنے اندرونی ماحول کو دیکھنے لگ جاتا ہے اس کے اندھیرے چھٹنے لگتے ہیں۔آنکھیں ملتا ہے تو اور زیادہ روشنی دکھائی دیتی ہے اور وہ اپنے نفس کا شعور ہے جو رفتہ رفتہ عرفان باللہ میں منتقل ہو جاتا ہے اور انسان کے اندر سے ایک خلق آخر ظاہر ہوتی ہے پس اس

رمضان میں خصوصیت کے ساتھ اپنے لئے یہ دعائیں کریں اور بنی نوع انسان کے لئے بھی یہ دعائیں کریں کہ وہ دعوے تو بہت کرتے ہیں اللہ ان کو بھی کوئی شعور عطا کرے۔

میں نے گلف سے متعلق جو پچھلے خطبات تھے ان میں بڑے درد کے ساتھ بعض آنے والے خطرات کی نشاندہی کی تھی ان میں ایک یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ سے امن ہمیشہ کے لئے اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور جن خطرات کا اظہار کیا تھا وہ ابھی جیسے کہتے ہیں ناں کہ سیاہی ابھی گیلی ہی ہو سوکھی بھی نہ ہو تو بات ظاہر ہونے لگ جائے ویسی ہی کیفیت ہوئی ہے۔ شام کے اوپر اسرائیل نے جنگ ختم ہوتے ہی یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ اب عراق سے خطرہ تو نہیں رہا مگر ہمیں شام سے خطرہ شروع ہو گیا ہے اور وہی باتیں جو پہلے عراق کے متعلق کہی جاتی تھیں اب شام کے متعلق کہی جانے لگیں۔ پھر وہ خطرے جو میں نے پیش کئے تھے۔ یہ تو نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک میں نے کوئی غیب کی خبریں بنائی تھیں مگر ہر انسان حالات کا جائزہ لے کر اندازے لگاتا ہے پس میں نے بھی جہاں تک ان قوموں کے مزاج کو سمجھا کچھ اندازے لگائے اور میرا اندازہ یہ تھا کہ عراق کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ اور بعض دوسری قوموں سے اندر کھاتے مخفی طور پر ہو سکتا ہے سمجھوتے ہو گئے ہیں کہ تم فلاں حصے پر قبضہ کر لینا، تم فلاں حصے پر قبضہ کر لینا۔ پس عراق میں جو بغاوت ہو رہی ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا دوسری قوموں سے کوئی تعلق نہیں مگر جو لوگ بھی اس صدی کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جہاں جہاں بغاوتیں ہوئی ہیں وہاں ضرور دوسری قوموں کا تعلق ہوتا ہے۔ آج کے زمانے میں طاقتور منظم فوجوں سے لڑنے کی عوام الناس میں طاقت ہی نہیں ہے جب تک باہر سے امداد نہ ہو۔ جب تک باہر سے شہ نہ ملے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی ملک میں واقعۃً منظم بغاوت ہو جائے چنانچہ افغانستان میں جو کچھ ہوا آپ جانتے ہیں۔ اگر امریکہ مجاہدین کی مدد سے اپنے ہاتھ کھینچ لیتا تو وہاں جو کچھ آپ نے دیکھا ہے ہو ہی نہیں سکتا تھا ممکن ہی نہیں تھا۔ اگر ویٹنام میں روس ویٹنامیوں کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیتا تو امریکہ کو جو بالآخر عبرتناک شکست ہوئی وہ ممکن نہیں تھی۔ غالباً ساڑھے آٹھ سال کا عرصہ ہے جو انہوں نے وہاں بہت ہی دردناک جنگ کی حالت میں گزارا ہے۔ وہ جنگ چند مہینوں کے اندر ختم ہو سکتی تھی اگر امریکہ کے مقابل پر روس انکا مددگار نہ ہو رہا ہوتا تو اس لئے بیرونی خطرات پہلے بھی تھے آج بھی ہیں اور کل بھی ہوں گے لیکن پہلے دو سمتوں سے ہوتے تھے اب ایک ہی

سمت سے ہیں اس لئے اس رمضان میں خاص طور پر دعائیں کریں کہ اب جب کہ ایک ہی طاقت ہے جو دنیا پر غالب آچکی ہے اور وہ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کی طاقت ہے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم طاقت کو جیسی طاقت آج تک کبھی دنیا کی تاریخ میں پہلے نہیں ابھری کہ وہ ساری دنیا پر اس طرح غالب آچکی ہو کہ مقابل کی ہر طاقت اس کے سامنے گھٹنے ٹیک چکی ہے، یہ توفیق نہ دے کہ خدا کے بندوں سے ظلم کا سلوک کرے۔ اس دعا کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ دعا کی یہ ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ امریکہ کو یہ ہوش دے۔ یہ عقل دے کہ وہ خدا بننے کی بجائے خدا کا نمائندہ بننے کی کوشش کرے۔ اور اگر واقعی امریکہ اس طاقت سے سچے دل کے ساتھ استفادہ کرنا چاہتا ہے اور دنیا میں امن پیدا کرنا چاہتا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں کہ امریکہ انصاف پر قائم ہو جائے کیونکہ عدل کے بغیر دنیا میں کوئی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص عدل پر قائم ہو وہ خدا کا نمائندہ ہوسکتا ہے خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک گہرا راز ہے کہ عدل کے فقدان سے شرک پیدا ہوتا ہے خدا کے عادل بندے مشرک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے خدا کے عادل بندے خدائی کے دعوے بھی نہیں کر سکتے۔ پس امریکہ کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ تاریخ میں کبھی کسی قوم کو ایسا موقعہ نصیب نہیں ہوا جیسا کہ امریکہ کو نصیب ہوا ہے کہ تمام دنیا کو اپنی طاقت کے زور سے عدل سے بھر دے اور عدل کے نتیجے میں دنیا کو انصاف عطا کرے اور خدا اس کو یہ توفیق نہ دے کہ اس کے برعکس خود خدائی کا دعویدار بن جائے اور زور اور طاقت کے ساتھ اور جنبہ داریوں کے نتیجے میں اور سیاسی چالبازیوں کے نتیجے میں دنیا سے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی کوشش کرے اگر امریکہ نے ایسا کیا تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ ایسی قوموں کو کچھ مہلت تو دیتا ہے لیکن لمبی مہلت نہیں دیا کرتا اور پھر خدا کی تقدیر ان کو پکڑا کرتی ہے۔

اس کے مقابل پر تیسری دنیا کی قوموں کے لئے بہت بڑے ہولناک دن آنے والے ہیں وہ نہتے ہو چکے ہیں ان کے سروں کی چھت اڑ گئی ہے۔ کوئی انکا اس دنیا کا سہارا نہیں رہا۔ اس لئے ان کے لئے دعا کریں کہ وہ نیلی چھت والے سے تعلق پیدا کریں اس خدا سے تعلق پیدا کریں جس کی چھت ساری کائنات پر محیط ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انہیں ابتلاؤں سے بچائے گا اور یہ بھی ممکن نہیں جب تک وہ خود عدل پر قائم نہ ہوں کیونکہ غیر عادل کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ یہ

خیال غلط ہے کہ صرف امیر اور طاقتور ظالم ہوا کرتا ہے یہ راز سمجھنے والا راز ہے اور اس کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ غریب اور کمزور بھی ظالم ہو جایا کرتا ہے۔صرف فرق یہ ہے کہ اسے اپنے ظلم کی توفیق نہیں ملتی یا کم ملتی ہے۔پس ظالم ہونا یا نہ ظالم ہونا انسان کے اندرونی رجحانات سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔میں نے تو جہاں تک نظر ڈالی ہے تیسری دنیا میں بھی اکثر ممالک ایسے ہیں جب بھی انہیں توفیق ملی ہے انہوں نے ظلم سے کام لیا ہے۔وہی صدام حسین جن کے عراق پر یکطرفہ ظالمانہ بمباری کے نتیجے میں تمام مسلمانوں کے دل خون ہو رہے تھے اور سخت اذیت میں مبتلا تھے۔اب اندرونی طور پر ان کو چھٹی ملی ہے کہ جبر کے ساتھ بغاوتوں کو نا کام کر دیں اور ملیا میٹ کر دیں تو اس جبر سے آگے بڑھ رہے ہیں جس جبر کی انسان کو خدا تعالیٰ کا خوف اجازت دیتا ہے ایک جبر کے مقابل پر جبر ہے جس کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے اور خدا کے خوف کی راہ میں یہ بات مانع نہیں ہے لیکن وَلَا تَعْتَدُوْا کی شرط کے ساتھ کہ ہرگز تم نے مقابل پر زیادتی نہیں کرنی انتقام اس رنگ میں نہیں لینا کہ جتنا تم پر ظلم ہو رہا ہے اس سے زیادہ ظلم کر دیا انسانی قدروں کو پامال کرتے ہوئے ظلم شروع کر دو پس کردوں کے مقابل پر یہ ظلم ہو رہا ہو یا شیعوں کے مقابل پر ظلم ہو رہا ہو۔جو بھی شکل ہے ہر قوم کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ باغیوں کا سر کچلے لیکن یہ حق نہیں کہ ان کو آگ کا عذاب دے کر مارے جیسا کہ امریکہ نے نیپام بم کے ذریعے عراقی فوجیوں پر ظلم کئے تھے یا گیس سے مارے یا تیزاب برسا کے مارے۔اگر یہ باتیں جو بیان کی جارہی ہیں سچی ہیں تو پتہ یہ لگا کہ ادھر بھی ظلم تھا اور ادھر بھی ظلم ہے پھر ہماری یہ دعا جس کی میں نے تلقین کی تھی کہ اے اللہ! حق کو فتح دے یہ کس کھاتے میں جائے گی حق تو پھر صرف اتنا سا باقی رہ گیا تھا کہ کویت پر ان کا حملہ ناجائز تھا۔اور ان کو کویت خالی کر دینا چاہئے تو کویت سے انخلاء کی حد تک تو ہماری حق والی دعا قبول ہو گئی۔اس کے بعد اگر حق ایک طرف ہو ہی نہ اور دونوں طرف ظلم شامل ہو جائے تو یہ دعا کسی کے بھی حق میں مقبول نہیں ہو سکتی۔

پس یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حق نصیب کرے۔اس وقت تو یہ زمانہ آ گیا ہے کہ انسان کنگال ہوا بیٹھا ہے۔اخلاق سے عاری ہو گیا ہے۔حق سے عاری ہو گیا ہے غریب قومیں اگر دوسری ہمسایہ قوموں پر ظلم نہیں کرتیں تو اپنے ملک کے غریب باشندوں پر ظلم کرتی ہیں ہر طاقتور کمزور پر ظلم کر رہا ہے۔ایسی افراتفری کے زمانے میں جبکہ طاقت کو گویا یہ اختیار ہے کہ ہر قسم کے ظلم و ستم بجالائے اور کوئی

اس کو روکنے والا نہ ہو۔ ایسے دور میں قوموں کے تعلقات اسی ظلم کے رشتے پر ہی قائم ہوتے ہیں۔

آج امریکہ کو خدا نے جہاں یہ توفیق بخشی ہے کہ اب اس کے مقابل پر اس کا کوئی رقیب نہیں رہا۔ پہلے اگر مجبوریاں بھی تھیں تو اب مجبوریاں نہیں رہیں۔ اس وجہ سے خدا نے اسے توفیق بخشی ہے کہ وہ بے دھڑک ہو کر دنیا میں انصاف قائم کرنے کی کوشش کرے تو یہ موقعہ پھر شاید کبھی ہاتھ نہ آئے۔ آج اگر پہلے قدم غلط اٹھ گئے تو پھر دوبارہ ان غلط فیصلوں کی درستی ممکن نہیں رہے گی اس لئے میں جماعت کو خصوصیت کے ساتھ اس دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو امریکہ کی قوم کو اس عظیم تاریخی سعادت حاصل کرنے کے بعد کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتور قوم بن کے ابھری ہے، یہ سعادت عطا کرے کہ اس طاقت کو بنی نوع انسان اور خود اپنی عاقبت کے خلاف استعمال نہ کرے بلکہ انصاف قائم کرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں اس طاقت (کے زمانے) کو لمبا کر دے گا اور سینکڑوں سال تک دنیا کو امن نصیب رہے گا لیکن آثار ایسے ظاہر ہو رہے ہیں جن سے مجھے خطرہ ہے کہ شاید یہ نہ ہو سکے تو دوسری صورت میں تیسری دنیا کے لئے دعا کریں۔ کمزور ملکوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں انصاف پیدا کرے ان کے دل میں رحم پیدا کرے۔ ان کو اپنی اخلاقی تعمیر نو کی توفیق بخشے کیونکہ طاقت ور قوم کا طاقت سے مقابلہ نہیں ہوسکتا لیکن طاقتور قوموں کا اعلیٰ اخلاق کے ساتھ ضرور مقابلہ ہوسکتا ہے۔ یہ راز ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا ہے پس اگر کوئی قوم اخلاقی لحاظ سے مضبوط ہو جائے اور اپنے نوک پلک درست کر لے اور اپنے اندر توازن پیدا کر لے اور حرص و ہوا سے باز آجائے اور قناعت کی زندگی بسر کرنا سیکھ جائے اور غربت میں ہی اپنی غریبانہ جنت بنانے کی اہلیت پیدا کر لے تو ایسی قوم پر دنیا کی کوئی طاقت حکومت نہیں کر سکتی۔ اعلیٰ اخلاق سے بڑھ کر انسان کا کوئی دفاع نہیں ہے۔ پس تیسری دنیا کے ملکوں کو میں بار بار یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی اندرونی اصلاح کریں۔ اپنے اخلاق درست کریں۔ اپنے اندرونی تعلقات کو درست کریں۔ انکسار پیدا کریں اور فی الحال غیر قوموں پر انحصار کو اگر فوری طور پر ترک نہیں کر سکتے تو کم سے کم یہ منصوبہ بنائیں کہ جتنی جلد ہو سکے گا آپ غیر قوموں پر انحصار سے توبہ کریں گے اور خودداری کی زندگی بسر کریں گے خواہ غریبانہ ہو۔ اگر یہ نصیحت تیسری دنیا نے مان لی اور جماعت نے دعائیں کیں اور وہ مقبول ہوئیں اور اگر سب نے نہیں تو آہستہ آہستہ بعض ملکوں نے ان پر عمل کرنا

شروع کر دیا تو پھر ہم یہ یقین کر سکیں گے کہ اگر طاقتوروں نے غلطی کی تو پھر بھی اس کا اتنا بڑا نقصان بنی نوع انسان کو نہیں پہنچے گا کیونکہ کمزور اپنی اصلاح کے ذریعے ان غلطیوں کی زد سے بچتے چلے جائیں گے اور اپنا دفاع وہ خود تیار کر لیں گے۔ اگر یہ نہ ہو تو آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ جنگیں ہوں گی غریب قومیں غریب قوموں سے لڑیں گی۔ امیر قوموں سے ہتھیار خریدیں گی اور اپنے غرباء کا خون چوس کر اپنے ساتھی غرباء کا خون بہانے کے انتظامات کریں گی۔

یہ اس دنیا کا خلاصہ ہے بڑا مکروہ خلاصہ ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جب اخلاق سے عاری ہو کر سیاست پر نظر کی جاتی ہے تو اس کے سوا اور کوئی خلاصہ نہیں نکل سکتا۔ پس اس رمضان میں خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو عقل اور تقویٰ اور انصاف عطا کرے اور جماعت احمدیہ کو یہ توفیق بخشے کہ انتہائی کمزور ہونے کے باوجود اپنی دعاؤں کے ذریعہ اس دور میں سب سے زیادہ اہم تاریخی کردار ادا کرے۔